© rasailojaraid.com

محمد مظہر الدین صدیقی

خلیفہ صاحب کے مذہبی عقائد

خلیفہ صاحب سے میں پہلے پہل اس زمانہ میں روشناس ہوا جب وہ حیدرآباد (دکن) میں جامعہ عثمانیہ میں فلسفے کے پروفیسر تھے۔ اس زمانہ میں وہ ٹاؤن ہال باغ عامہ میں آروبندو گھوش کے فلسفہ پر کچھ تقاریر فرما رہے تھے۔ اگرچہ فلسفہ میرا مضمون نہ تھا لیکن کچھ طبعی ذوق اور مناسبت کی وجہ سے میں ان کی تقاریر سننے جایا کرتا تھا۔ خلیفہ صاحب کی تقریر میں ان کی گفتگو کی طرح ایک خاص شگفتگی تھی۔ وہ فلسفہ کے نہایت دقیق مسائل کو ایسے آسان اور دلچسپ انداز سے سمجھاتے تھے کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ان سے کچھ نہ کچھ ضرور اخذ کر لیتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی مرحوم نے آروبندو گھوش کے تصوف کو ایسے شگفتہ پیرایہ میں بیان فرمایا کہ بہت سی باتیں جو پہلے دشوار اور پیچیدہ نظر آتی تھیں آسانی سے سمجھ میں آگئیں۔ اس کے بعد اگرچہ مرحوم حیدرآباد میں عرصۂ دراز تک مقیم رہے لیکن غائبانہ تعارف کے سوا کبھی ان سے ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ کبھی کبھی ان کے متعلق کچھ باتیں سننے میں آجاتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ مولوی صاحبان کو خلیفہ صاحب سے ایک خاص پرخاش ہے کیونکہ ان کے خیالات سے وہ شدید اختلافات رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی سننے میں آتا تھا کہ خلیفہ صاحب مولویوں پر پھبتیاں کسنے میں استاد ہیں اور موقعہ مل جائے تو انہیں خوب ستاتے ہیں۔ بہرحال ان کی آزاد خیالی اور بذلہ سنجی خشک مذہبی طبائع کو ناگوار تھی۔

خلیفہ صاحب سے میری پہلی ملاقات مری میں ہوئی جہاں وہ اپنے صاحبزادے عارف صاحب کے یہاں مقیم تھے۔ اس زمانہ میں میں پشاور میں بسلسلۂ ملازمت سکونت پذیر تھا۔ لیکن یہ پہلی ملاقات نہایت مختصر تھی اور اس سے مجھے خلیفہ صاحب کے متعلق کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوئی۔ اس زمانہ میں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ قائم ہو چکا تھا۔ اور خلیفہ صاحب اس کے ڈائرکٹر تھے مگر ابھی انہیں موزوں اشخاص کی تلاش تھی۔ ادارہ کی رکنیت اور رفاقت کا شرف پہلے پہلے ہمارے دوست ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کو حاصل ہوا جو اب کراچی میں اقبال اکیڈیمی کے ناظم ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے بعد دوسرے نمبر پر میں ادارہ کی رکنیت سے سرفراز ہوا۔ میرے مذہبی خیالات میں اس وقت تک کوئی جمود تھا۔ اسی طرح ڈاکٹر رفیع الدین صاحب بھی اپنے مذہبی افکار کے اعتبار سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہایت راسخ العقیدہ تھے۔ اس کے بعد ہمارے ادارہ میں دو اور رفقائے کار داخل ہوئے جن کا تعلق طبقۂ علماء سے تھا۔ غرض کہ ایک طرف تو خلیفہ صاحب مع اپنی تمام آزاد خیالی اور فلسفہ آرائی کے ادارہ کے ناظم تھے اور دوسری طرف رفقائے ادارہ سب کے سب کم و بیش آبائی عقائد کے پیرو تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ خلیفہ صاحب اس گاڑی کو کس طرح چلائیں گے جس کے چاروں پہیے بے جوڑ تھے۔ میرا جس وقت ادارہ میں تقرر ہوا تو ڈرتے ڈرتے اور جھجکتے ہوئے لاہور آیا۔ کیونکہ خلیفہ صاحب کی آزاد خیالی کے باعث یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ ممکن ہے کبھی میرے اور ان کے خیالات میں ٹکراؤ ہو جائے۔ اس نئی زندگی کے آغاز میں مجھے بعض وقت دماغی الجھن ضرور رہتی تھی کیونکہ خلیفہ صاحب کی عادت تھی کہ وہ روزانہ رفقائے ادارہ سے کم از کم دو تین گھنٹے علمی گفتگو فرماتے تھے۔ دوران گفتگو میں بعض وقت ان کی زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جن سے مجھے ان کے اسلام و ایمان میں شک ہونے لگتا۔ ابتدا میں مجھے اس سے کافی پریشانی ہوئی۔ لیکن جیسا جیسا وقت گزرتا گیا اور خلیفہ صاحب کے خیالات سے زیادہ گہری واقفیت ہونے لگی یہ تمام شکوک و شبہات زائل ہو گئے۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ خلیفہ صاحب نہایت پکے مسلمان ہیں لیکن ان کا انداز فکر فلسفیانہ اور متصوفانہ ہے۔ اس لیے وہ اسلام کو کسی اور رنگ میں دیکھتے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مذہبی عقائد کے دائرہ میں دینیاتی ذہن اور فلسفیانہ ذہن ہمیشہ متصادم رہتے ہیں۔ اب یہ انسان کی افتاد طبع پر منحصر ہے کہ اس میں دینیاتی ذہن کا عنصر زیادہ ہے یا فلسفیانہ ذہن کا کیونکہ کوئی انسان نہ تو خالص دینیاتی ذہن رکھتا ہے اور نہ خالص فلسفیانہ دماغ۔ لیکن جس عنصر فکر کا پلّہ جتنا بھاری ہوتا ہے اسی اعتبار سے آدمی کا انداز تاویل اور طرز تشریح مختلف ہوتا ہے۔

خلیفہ صاحب نے ہم لوگوں کی ذہنی تبدیلی کا کام اس قدر تدریجی اور غیر شعوری طور پر انجام دیا کہ ہم میں سے اکثر کو یہ محسوس بھی نہ ہوا کہ ہم ایک فکری انقلاب کے دور سے گزر رہے ہیں۔ خلیفہ صاحب کی اس کامیابی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے کبھی ادّعائیت اور تحکم سے کام لے کر ہم پر اپنا نقطۂ نظر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جس طرح وہ مجلسی زندگی میں مساوات اور بے تکلفی برتتے اور اپنے ملنے والوں کو کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ وہ اپنے کو ان سے اعلیٰ تر خیال کرتے ہیں اسی طرح علمی زندگی میں بھی کبھی انہوں نے اپنی علمی برتری جتانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہم لوگوں سے علمی مسائل پر اس طرح بحث کرتے تھے گویا ہم لوگ علم و فضل میں ان کے ہم پلہ ہیں۔ اختلاف رائے کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے تھے اور اپنی بات پر اصرار نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم لوگوں نے کبھی اپنے خیالات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات ان کی علمی عظمت کا کافی ثبوت ہے کیونکہ جن لوگوں میں علم کی کمی ہوتی ہے اور فکر کی پختگی نہیں پائی جاتی وہ اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں۔ اور دوسروں کو دلائل سے قائل کرنے کے بجائے اپنے شخصی رعب وداب یا معاشرتی مرتبہ سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خلیفہ صاحب اس نقص سے یکسر پاک تھے۔ ہمارے ملک میں خلیفہ صاحب کے پایہ کے ادیب، عالم اور مفکر اب تقریباً ناپید ہیں۔ وہ علم و ادب شعر و شاعری، فلسفہ اور تصوّف کے جامع تھے۔ مفکر ہی نہ تھے بلکہ مفکر گر بھی تھے۔ انہوں نے بہت سے اشخاص کے طرز فکر اور طریق استدلال کو متاثر کیا۔ اور بہت سے لوگوں کو جمود سے نکال کر حرکت پذیر بنا دیا۔ خلیفہ صاحب اپنے رفقاء اور تلامذہ کا ایک حلقہ چھوڑ گئے ہیں جن میں سے کوئی شخص بھی ان کے علمی احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

میری بدقسمتی تھی کہ بعض مجبوریوں کے باعث مجھے خلیفہ صاحب سے ان کے حین حیات جدا ہونا پڑا۔ لیکن علاحدگی کے بعد بھی خلیفہ صاحب کے اور میرے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اسی محبت و مروّت سے ملتے رہے اور مجھے جو تجربات آئندہ پیش آئے اس سے ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو گیا۔ شاید یہ خلیفہ صاحب سے میری گہری عقیدت و خلوص کا نتیجہ ہو کہ ان کے آخری ایام حیات میں بھی دو چار روز کے لیے میرا اور ان کا ساتھ رہا۔ کراچی میں اسلام پر ایک بین الاقوامی مباحثہ ہو رہا تھا۔ سندھ یونیورسٹی کی جانب سے میں بھی کانفرنس میں ایک مندوب تھا۔ خلیفہ صاحب لاہور سے تشریف لائے۔ حسب معمول انہوں نے اسلام کی حمایت میں بڑی شگفتہ تقاریر فرمائیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی ان سے خوش ہو گئے جن کو ان کی راسخ العقیدگی میں شک تھا۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ بہت جلد اپنے رفقاء اور شناساؤں کو داغ مفارقت دینے والے ہیں۔ غالباً چوتھے یا پانچویں روز ڈاکٹر محمود حسین صاحب نے بھرے اجلاس میں ان کی وفات کی خبر سنائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خلیفہ صاحب کے مخالفین ان کو مذہب میں جدت پسند، آزاد خیال، گمراہ اور نہ جانے کیا کیا خیال کرتے تھے۔ اس کا سبب در اصل یہ تھا کہ دینیاتی ذہن مذہبی حقائق کی جس انداز سے ترجمانی کرتا ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے جو ایک فلسفیانہ اور متصوفانہ ذہن کی خصوصیت ہے۔ خلیفہ صاحب کائنات کی حقیقت اور حیات کی ماہیت پر فلسفیانہ انداز سے سوچتے تھے اور مذہبی عقائد کی توجیہہ بھی اسی انداز سے کرتے تھے۔ اس لیے سطحی اذہان اگر انہیں گمراہ اور بے دین سمجھیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو جرأت فکر رکھتا ہے اور مروجہ عقائد سے ہٹ کر سوچتا ہے مخالفین کی دشنام طرازی اور پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتا ہے۔ خواہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت کے اعتبار سے وہ دین کا بہتر ترجمان ہو - بہرحال اگر دین کا تعلق رواجی اعتقادات پر نہیں بلکہ جزاو سزا اور رسالت پر ایمان سے ہو تو خلیفہ صاحب کا ایمان ان پر ویسا ہی مستحکم تھا جیسا کہ کسی پاکباز اور راسخ العقیدہ مسلمان کا ہو سکتا ہے - ذات رسالتمآبؐ کے ساتھ ان کی الفت و عقیدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ کی نبوت کو مثالی قرار دیتے تھے - چنانچہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ جناب رسالت مآبؐ نے نبوت کا جو اعلیٰ معیار قائم فرما دیا ہے اس کے بعد انبیائے بنی اسرائیل کی نبوت نظروں میں نہیں جچتی اور نبی آخر الزماںؐ کے مقابلہ میں وہ عارفین حق اور اولیاء کے درجہ پر فائز معلوم ہوتے ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کی نظروں میں حضورؐ کا کیا مقام تھا - اور وہ حضورؐ کے ساتھ کیسی والہانہ عقیدت و الفت رکھتے تھے - خلیفہ صاحب کو منکر حدیث بھی قرار دیا گیا ہے لیکن میں نے جتنی اعلیٰ درجہ کی احادیث خلیفہ صاحب سے سنیں اور کسی سے سننے کا اتفاق نہیں ہوا - یہ بھی کہا جاتا تھا کہ خلیفہ صاحب نرے فلسفی ہیں انہیں علوم قرآن و حدیث سے کیا نسبت ہو سکتی ہے - اس میں شک نہیں کہ یہ بات ان کی ابتدائی زندگی کے تعلق سے صحیح ہے لیکن آخری دس بارہ سال میں خلیفہ صاحب نے قرآن و حدیث کا بڑا گہرا مطالعہ فرمایا تھا - اور اپنی فطری ذہانت کے باعث وہ علم حدیث کے فنی ماہر نہیں تو رمز شناس ضرور کہلائے جا سکتے ہیں - انہوں نے بعض احادیث کی توجیہہ و تشریح میں ایسے ایسے نادر نکات پیدا کئے جن سے ہمارے قدیم علماء یکسر قاصر تھے - چنانچہ جواہرات پر زکوٰۃ کے بارے میں مجھے خلیفہ صاحب کی توجیہہ نہایت شاندار معلوم ہوئی - فرماتے تھے کہ عرب ایک مفلس قوم تھی اس لیے عربوں میں بمشکل دو ایک ایسے اشخاص ہوں گے جن کے پاس ایک آدھ ہیرا یا دوسرا قیمتی پتھر موجود ہو - اس لیے جب حضورؐ نے عاملین زکوٰۃ کو وصولی زکوٰۃ کے لیے روانہ فرمایا تو انہیں جواہرات پر زکوٰۃ وصول کرنے میں بڑی دقت ہوئی - کیونکہ اوّل تو جواہرات کی تعداد دو ایک سے زیادہ نہیں تھی - دوئم انہیں بازار میں فروخت بھی نہیں کیا جا سکتا تھا - کیونکہ عرب میں ان کا شاید ہی کوئی خریدار نکلتا - اب دوسری صورت صرف یہ تھی کہ انہیں توڑ کر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ لے لیا جاتا - مگر اس سے جواہرات تلف ہو جاتے اور ان کی قیمت وصول نہ ہوتی - اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ چونکہ ایک دو اشخاص سے زیادہ کا معاملہ نہیں اس لیے ان سے جواہرات پر زکوٰۃ نہ لو - یہ توجیہہ نہایت معقول معلوم ہوتی ہے ورنہ یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے جب سونے چاندی اور دوسرے ذخائر پہ زکوٰۃ عائد کی تو ہیرے جواہرات کو کیوں مستثنیٰ قرار دیا جب کہ اس ذریعہ سے لوگ اپنی دولت کو زکوٰۃ سے بچا سکتے ہیں -

خلیفہ صاحب نے طلاق و نکاح کے کمیشن میں جو سفارشات کی تھیں ان پر بھی ہمارے قدیم مذہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی۔ بالخصوص تعددِ ازدواج کے مسئلہ پر۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خواہ تعددِ ازدواج ہو یا طلاق کا موجودہ طریقہ ان دونوں سے بہت سے مسلمان ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جس کی وجہ سے عورتوں کے جائز حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ اسلام نے تعددِ ازدواج کی مشروط اجازت دی تھی اور وہ بھی ناگزیر حالات کی بنا پر۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ تعددِ ازدواج کا طریقہ قطعاً مسدود کرنے کے قابل ہے کیونکہ بعض حالات ایسے پیدا ہو سکتے ہیں کہ مرد کو واقعی دوسرے یا تیسرے نکاح کی حاجت پیش آئے۔ لیکن اس استثنائی صورتِ حال کو ایک مسئلہ عام قاعدہ نہیں بنایا جا سکتا۔ سب سے بڑا سوال معاشی عدل کا ہے جس کو خود قرآن حکیم نے ایک شرطِ لازم قرار دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کتنے لوگ دوسری یا تیسری شادی کرنے کے بعد اپنی پہلی بیوی کو سابقہ معیار کے مطابق خرچ دے سکتے ہیں اور کتنوں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ پہلی بیوی سے اسی حسنِ سلوک سے پیش آئیں گے جیسے دوسری شادی سے قبل۔ اس لیے خلیفہ صاحب کا یہ فرمانا بالکل بجا تھا کہ تعددِ ازدواج کی خاص حالات اور شرائط کے تابع دی جانی چاہیے۔ نیز طلاق کے بارے میں بھی مردوں پر بعض قیود لگانے چاہئیں تاکہ وہ اس کو محض اپنی لطف اندوزی کا ذریعہ نہ بنا لیں۔

خلیفہ صاحب پر مغرب زدہ ہونے کا الزام بھی لگایا گیا۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جو لوگ مغربی تہذیب کی فلسفیانہ بنیادوں سے واقف نہیں اور جنہیں یہ نہیں معلوم کہ مغرب کی تہذیب اسلامی تہذیب سے کس درجہ متاثر ہے وہ اسلام اور مغرب کو دو متبائن تہذیبیں خیال کریں تو بے جا نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں اکثر امور مابہ الاشتراک ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ مغرب پر مادیت طاری ہے تو آج دنیا میں مادیت کہاں طاری نہیں؟ خود مسلمانوں کی مادیت پسندی مغرب سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ صرف اسی زمانہ میں نہیں عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ سے قطع نظر کر لیجئے تو تاریخ میں اسلامی قدروں کا نشان بہت دھندلا نظر آتا ہے۔ ایسی حالت میں مغرب کے بالمقابل اپنی روحانیت کا دعویٰ کرنا کچھ زیادہ زیب نہیں دیتا۔ یہ صحیح ہے کہ مادیت ایک نظریہ اور عقیدہ کی حیثیت سے ہماری تہذیب میں بار نہیں پا سکی اور مغرب میں ملاحدہ فلسفیوں اور سائنسدانوں کا ایک بڑا گروہ موجود ہے۔ لیکن اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ موجودہ علوم و فنون کا سرمایہ تحقیقات اتنا زیادہ وسعت پذیر ہو گیا ہے کہ اس میں ہر قسم کے خیالات و عقائد کی گنجائش موجود ہے۔ دوسرے خود مغربی فلاسفہ اور سائنسدانوں میں مادیت کے خلاف ردِ عمل ہو رہا ہے اور وہ حیات کی روحانی بنیادوں پر زور دینے لگے ہیں۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ آئندہ پچاس یا

© rasailojaraid.com

یا سو سال میں مغربی فلسفہ اور سائنس کی ہیئت بدل جائے لیکن جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے حقیقی روحانیت تاریخ کے ہر دور میں چند پاکیزہ نفوس تک محدود رہی اور عام انسانوں کی بڑی اکثریت ہمیشہ دنیوی اور مادی اقدار کی طلب میں زندگی بسر کرتی رہی ہے خواہ اسلامی ممالک میں ہو یا مغربی ممالک میں۔ البتہ اسلامی ممالک میں اس مادیت پسندی کو مذہب کے پردے میں چھپا یا گیا۔ اور مغربی ملکوں میں مذہب کی آڑ اٹھا دی گئی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے اندر اتنی دیانت فکر باقی نہیں کہ ہم اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا جائزہ لے سکیں۔ ہمارے مذہبی طبقات مغرب کی کمزوریوں اور برائیوں کو تو بہت جلد دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن کسی فرد یا تہذیب کی روحانی زندگی کے لیے یہ طرز فکر نہایت مضرت رساں ہے کہ وہ دوسروں کی عیب جوئی کرتا رہے اور اپنی کمزوریوں اور خامیوں سے صرف نظر کرلے۔ ایک زندہ تہذیب وہ ہے جس میں محاسبۂ نفس کا عمل اجتماعی پیمانے پر بھی اسی طرح جاری ہو جس طرح شخصی زندگی میں۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی تہذیب کمزوریوں اور نقائص سے خالی نہیں اور ہم اسے بلا اخذ و ترک قبول نہیں کرسکتے۔ اسی طرح ہماری اپنی تہذیب کے کچھ بنیادی تقاضے ہیں جن سے ہم اعراض نہیں کرسکتے۔ خلیفہ صاحب کا بھی یہی کہنا تھا۔ انہوں نے مغرب کی اندھی تقلید کو کبھی نہیں سراہا لیکن دیانت داری سے مغرب کے بعض پہلوؤں کی تعریف کی۔ اگر یہ دیانت فکر مغرب زدگی ہے تو ہم میں سے اور زیادہ اشخاص کو مغرب زدہ ہونے کی ضرورت ہے۔

مسلم ثقافت ہندوستان میں

مصنفہ عبدالمجید سالک

مختصراً، اس کتاب کی تالیف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند کو گزشتہ ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا اور اس قدیم ملک کی تہذیب و ثقافت کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا۔

صفحات ۳۳۵ - قیمت ۱۲ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ - لاہور

© rasailojaraid.com